اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۲، مسلسل شمارہ:۳۷۲، سال۲۰۲۴ء

لونڈی اور خواص کا تاریخی پس منظر اور اردو ناول

سمیرا عمر، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
گورنمنٹ شالیمار گریجویٹ کالج باغبانپورہ، لاہور

THE HISTORICAL BACKGROUND OF CONCUBINES AND COURTESAN AND URDU NOVEL

Sumaira Umar, PhD
Assistant Professor of Urdu
Govt. Shalimar Graduate College, Baghbanpura Lahore

Abstract

In human history, the institution of slavery has been built on solid foundations since ancient times, and their rights were also defined in various religious texts or laws. With the development of human civilization, the foundations of this institution began to shake. In this article we have underscored the character of the maids in Urdu Novels. It is found these characters been presented in a positive manner, faithfulnes and reliablilty has been described as their main attributes. In Urdu novels, young girls were abducted and sold to become prostitutes in brothels and to become concubines in the mansions of the nobles. In addition, poor old people also sold their daughters in the famine years. Concubines in the mansions were divided into different gradesa nd services were taken from them according to their ranks. The custom of giving concubines as dowry gift on the occasion of marriage of Nawabzadis is also mentioned in the novels.

Keywords:

Slavery, Concubinage, Famine, Girls Trafficking, Prostitute, Dowry Gift

انسانی بیع کا رواج اتنا ہی قدیم معلوم ہوتا ہے، جتنی قدیم خود نوع انسانی۔ جب سے انسانی تہذیب نے جنم لیا غالباً اسی وقت سے اس رسم قبیح کی بنیاد پڑی مگر جوں جوں ترقی ہوتی گئی اس رسم کے زجر و توبیخ کے اقدامات گئے گیے یہاں تک کہ انیسویں صدی کے نصف میں انسانی چہرے سے یہ بد نما داغ مٹانے کا عمل شروع ہوا۔ چوں کہ انسان کی فطرت میں حکومت قائم کرنے کا سودا سمایا ہوا ہے، اس لیے زمانہ قدیم میں جب فاتح اپنے دشمن پر غالب آجاتا تھا تو وہ اسے جان مار ڈالتا تھا تاکہ دشمن کو کوئی چال چلنے کا موقع نہ مل سکے یا بہت رحم کرتا تھا، تو اسے اپنا غلام بنالیتا تھا۔ بالخصوص عورتیں زیادہ تر لونڈیاں بنتی تھیں تاکہ وہ گھر کا کام کریں اور فاتحین کی خواہشات نفسانی بھی اُن سے پوری ہو سکیں۔ ماضی قریب میں بھی مغلوب دشمنوں سے زراعت کرانے کا رواج عام طور سے پایا جاتا تھا۔ یہ رواج مصر و بابل و روم وغیر کی قدیم اور بڑی سلطنتوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اُن کی خرید و فروخت ہوتی تھی دیگر اجناس کی مانند ان کے نرخ مقرر کیے جاتے اور بیع انسانی کی بڑی بڑی منڈیاں قائم ہوتی تھیں۔ اجناس و مال مویشیوں کی مانند انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا اور خریدار ان کا بلا شرکت غیرے مالک تصور کیا جاتا۔ بازنطینیوں کے دور عروج میں ان پر جبر تشدد میں کچھ کمی واقع ہوئی، لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا دستور عام طور سے جاری ہو گیا، اور غلاموں کے ساتھ بد سلوکی کرنا ایک جرم قرار پایا جس کی باز پرس مالک سے ہوتی تھی۔

مختلف اقوام و ملل کے ضابطہ قوانین یا شریعت میں ان کے حقوق بھی مقرر کیے گئے ہیں۔ مثلاً بابل و نینوا کے حکم ران حمورابی نے اپنے ضابطہ قوانین میں لونڈیوں کے حقوق کو تسلیم کیا ہے کہ ایسی لونڈیاں جو مالک کے خلاف یا سرکش ہو جائیں یا رہن میں رکھ دی جائیں یا کسی ام الولد کو فروخت کر دیا جائے یا بیوی اپنی لونڈی کو شوہر کو پیش کر دے اور وہ صاحب اولاد ہو جائے تو اس ضمن میں بھی الگ الگ فیصلے سنائے گئے ہیں۔ مثلاً احکام نمبر ۱۴۶، اگر کوئی شخص کسی پچارن سے نکاح کرے اور وہ اپنے خاوند کو ایک لونڈی پیش کرے جس سے اس کے اولاد پیدا ہو جائے اگر بعد کو یہ لونڈی اپنی مالکن سے برابری کا دعوی کرنے لگے تو چوں کہ وہ بچوں کی ماں ہے اس کی مالکن اسے چاندی کے عوض میں فروخت نہیں کر سکتی ہاں بیڑی پہنائی جاسکتی ہے اور اس سے لونڈی غلاموں کا سا سلوک کیا جائے اگر اس لونڈی کے اولاد نہ ہو تو اس کی مالکن اسے چاندی کے عوض فروخت کر سکتی ہے۔ اسی طرح قوم موسیٰ کو جب غلامی سے رہائی ملی تو اس کو بھی لونڈیاں اور غلام رکھنے کی اجازت دی گئی مگر ساتھ ہی ان کے کچھ حقوق بھی مقرر فرمائے۔

لونڈی اور غلاموں کی کیفیت زیادہ تفصیل سے عہد نامہ قدیم کی کتاب خروج کے باب نمبر۱۹تا۲۱میں دی گئی ہے۔جب مصر کی بادشاہ کی رحلت کے بعد ان کی غلامی کی آہ و بکا خدا نے سنی تو جناب موسی کو نجات دہندہ بنا کر بھیجا اور جب وہ جناب موسی کی معیت میں پیدل نکلے تو بال بچوں، اور مال اسباب کو چھوڑ کر تقریباً چھ لاکھ مرد تھے جنھیں ملک مصر میں رہتے چار سو تیس برس ہوچکے تھے۔ آزادی کے بعد خدا نے انھیں نہ صرف غلام ولونڈی رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی بل کہ غلاموں کے حقوق وقوانین بھی وضع فرمائے۔اگر کوئی عبرانی غلام خریدے تو چھ برس خدمت کرکے وہ ساتویں برس مفت آزاد ہو جائے گا۔ اگر وہ اکیلا آیا تھا تو اکیلا ہی جائے گا لیکن اگر بیوی کے ساتھ تھا تو بیوی بھی ساتھ لے جائے گا۔ اگر وہ نہ جانا چاہے تو اس کے کان میں چھید کر کے ہمیشہ اپنی خدمت پر مامور رہنے دے۔ایسے لوگ جو لونڈیاں رکھتے ہیں ان پر بے جا ظلم کرنے سے تنبیہ کی گئی ہے آزاد عورت کو لونڈی کے طور پر فروخت کرنے میں بہ طور خاص اپنی ہی قوم کے لوگوں کو دینے کا کہا گیا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو لونڈی ہونے کے لیے لیے بیچ ڈالے تو وہ غلاموں کی طرح بھاگ نہ جائے اور اگر مالک اس کی نسبت کر دے جب کہ اسے یہ نسبت پسند نہ ہو تو فدیہ منظور کر لے مگر کسی اجنبی قوم کے ہاتھوں فروخت نہ کرے اگر مالک اسے اپنے بیٹے کے لیے منتخب کرے تو اس سے بیٹیوں جیسا سلوک کرے اگر خاوند دوسری عورت کرلے تو لونڈی کے کھانے کپڑے اور شادی کے فرض میں کوتاہی نہ کرے اگر وہ یہ فرائض پورے نہیں کر سکتا،وہ لونڈی خود بہ خود بلا فدیہ دیے آزاد ہو جائے گی۔ اگر کوئی اپنے مملوکہ کو ایسا مارے کہ وہ جاں بحق ہو جائے تو مالک کو سزا ملے گی، لیکن اگر وہ مرنے سے بچ جائے تو وہ اس کی مِلک ہی شمار ہو گا البتہ اگر کوئی مالک اپنے مملوک کی آنکھ پھوڑے تو اس آنکھ کے بدلے آزادی ملے گی اور اگر دانت توڑے تو دانت کے بدلے میں بھی آزادی کا مستحق ہو جائے گا یعنی انسانی اعضا کے ضائع ہونے کی صورت میں اسے فوراً آزادی مل جائے گی اسی طرح اگر کسی کا جانور غلام یا لونڈی کو سینگ مار کر گزند پہنچائے گا تو وہ غلام یا لونڈی کے اس ضرب کی قیمت تیس مثقال اس کے مالک کو ادا کرے گا کیوں کہ کسی شخص کی ملکیت کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔(۱)

قدیم ہندوستان کے مجموعہ قوانین ارتھ شاستر میں شنکر اچاریہ نے لونڈیوں اور غلاموں کی بابت قوانین وضع کیے ہیں ۔ازدواج اور ملکیت کے قوانین ایک ہی باب میں بیان کرتے ہوئے داسوں، غلاموں

لونڈیوں اور مزدوروں کی خواہ کوئی بھی صورت ہو، پیدائشی، بیچے گئے، رہن رکھے گئے، بھاگنے والے، اور اپنی مرضی سے غلامی میں آنے والوں کے لیے صریح احکامات موجود ہیں۔ (۲)

اسلام میں بھی لونڈی اور غلام کو ملکیت قرار دیا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے ساتھ انھیں آزاد کرنے کی بھی ترغیب دلائی ہے مصارف زکوۃ میں انھیں رکھا اور کسی بھی کفارے کی صورت لونڈی یا غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ اس رسم کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ شکنی ہو۔ لونڈیوں کو تصرف میں لانے سے پہلے ان کے مہر مقرر کرنے کا حکم دیا اور لونڈی کا مہر اس کی آزادی کو قرار دیا۔ اسی طرح شادی کے ضمن میں مشرکہ کی نسبت مومنہ لونڈی کو ترجیح دی گئی، ان سے نرمی کا حکم دیا لونڈی کا ستر اور بدچلنی کی سزا آزاد عورت کی نسبت آدھی مقرر کی گئی۔ اسی طرح مطلقہ یا بیوہ لونڈی عدت کی میعاد بھی نصف قرار دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جو لوگ آزاد خواتین سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے انھیں چاہیے کہ "جو عورتیں جنگ میں تمہارے پاس آگئی ہیں ان پر گزارہ کرو بے انصافی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا زیادہ قرین ثواب ہے۔"(۳)

> "اسی طرح سورہ نور میں ارشاد ہے: "تم میں سے جو مرد و عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی۔۔۔۔ تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انھیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو مجبور کر دے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔"(۴)

قبل از اسلام حجاز کے مختلف علاقوں سے لونڈی غلام تجارتی غرض سے ارض مقدس لائے اور بیچے جاتے تھے ان سے جبراً جسم فروشی کروائی جاتی تھی، یا بیچ کر منافع بخش کاروبار کیا جاتا، تحائف کے طور پر بھی پیش کیا جاتا اور بہ طور ترکہ وارثین تک منتقل کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی غلام کسی خاص کام یا اہم خدمت کے باعث آزادی حاصل کر لیتا تو اسے مولیٰ کہا جاتا۔ غلام یا جنگی قیدی اپنی محنت سے فدیہ ادا کر کے غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا اس عمل مکاتبہ کہا جاتا تھا۔ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

> "اعراب لونڈیوں سے شادیاں بھی کر لیتے تھے، ان کی اولاد بھی غلام ہی متصور ہوتی تھی، تاوقت یہ کہ وہ کسی خاص سبب سے متبنیٰ نہ کر لی جائیں۔"(۵)

اسلامی فتوحات کے نتیجے میں غلاموں اور لونڈیوں کی کثیر تعداد عربوں کے ہاتھ آئی۔ ان کے اسلام قبول کر لینے کی صورت میں انھیں آزاد کیا جانے لگا اور یہ مولیٰ کہلائے جانے لگے اور ان کا درجہ حُر اور

غلام کے درمیان شمار ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ آزاد غلاموں یا موالی کا اپنا خاندان بننے لگا جو موالی نہ بن سکے ان کی خرید و فروخت منفعت بخش کاروبار بنا، انھیں مختلف ہنر سکھا کر ان کے نرخوں میں اضافہ کیا گیا۔(۶)

اموی خلفا کی فتوحات کے نتیجے میں بہت سی غیر ملکی خواتین بہ طور لونڈیاں ملکیت میں آئیں۔ عرب بھی ان لونڈیوں سے بچے پیدا کرنے لگے اور یہ لونڈیاں ام الولد کہلائی جانے لگیں۔ جنھیں شریعت کی رو سے نہ تو بیچا جا سکتا تھا اور نہ ہی غلام سے ان کی شادی کی جا سکتی تھی کیوں کہ اُن کا مہر ہی ان کی آزادی قرار پایا تھا۔ ان لونڈیوں کی اولاد مسند خلافت پر متمکن نہیں ہو سکتی تھیں۔ باپ کا نام تو ان کی اولاد کو مل جاتا تھا مگر وراثت میں تب تک حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ باپ دادا انھیں وارث کے طور پر تسلیم نہ کر لیں۔ اموی دور کے مسلمہ بن عبد الملک جو بیشتر اموی خلفا کے دست راست تھے اور جنھوں نے رومیوں اور بازنطینیوں کے خلاف کئی جنگیں بھی لڑیں محض اس لیے مسند خلافت پر نہ بیٹھ سکتے تھے کہ وہ لونڈی کے بطن سے تھے۔(۷)

عباسیوں کے دور میں یہ صورت حال بدل گئی خلیفہ کی حرم سرا میں ولی عہد کے لیے جوڑ توڑ اور سازشیں ہونے لگیں اور لونڈیوں کی اولادوں کو سریر آرائے سلطنت کرنے کے لیے راستے صاف کیے جانے لگے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ اس کی ہم کفو اور عربی النسل بیوی تھی جس کے بیٹے امین کو بہ طور خلیفہ نام زد کیا گیا عربوں نے اس فیصلے کی بھرپور حمایت کی جب کہ مامون الرشید کی ماں ایرانی لونڈی تھی اس کے لیے ایرانیوں نے بھرپور ساتھ دیا اسی طرح معتصم کی ماں ترک لونڈی تھی اس لیے اس نے ترکوں کی مضبوط جماعت سے مدد حاصل کی۔ یوں بیویوں اور ام الولد خواتین کے درمیان کشیدگی و کش مکش جاری رہی۔ امین الرشید کے قتل کے بعد ہاشمی خاتون کی بہ جائے ایرانی بیٹے کو اقتدار سونپ دیا گیا۔(۸)

معتصم نے ترکوں کی فوج جنھیں مملوک کہا جاتا تھا کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا اور انھیں اہم فوجی مہمات کے لیے تربیت دی جانے لگی یہ سلاطین کے لیے جنگ لڑتے اور بدلے میں آزادی حاصل کر کے مولیٰ بن جاتے اور فاتحین کے لیے نئے غلام اور لونڈیاں بھیجتے جن سے مزید لونڈی غلام پیدا کیے جاتے۔ رفتہ رفتہ ان مملوکوں نے اس قدر اہمیت حاصل کر لی کہ عباسیوں سے علاحدگی اختیار کر کے مصر میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کام یاب ہوئے۔ عباسیوں کے زوال کے تھوڑے عرصے بعد خلافت عثمانیہ قائم ہوئی اور ترکوں کا دور عروج شروع ہوا۔(۹)

ان موالی یا مملوکوں کا تاریخ ہندوستان سے بھی گہرا تعلق ہے کیوں کہ سلطان شہاب الدین غوری کے غلام قطب الدین ایبک نے شمالی ہند میں پہلی مملوک حکومت کی بنیاد رکھی، اس کے بعد تغلق حکمران برسر اقتدار رہے، تاریخ ہند میں یہ خاندانِ غلاماں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جنوبی ہند میں علاؤالدین حسن کے زیر قیادت اکٹھے ہو کر انھوں نے سلطنت دہلی سے علاحدگی اختیار کی اور آزاد سلطنت کی بنیاد رکھی۔ شمالی و جنوبی ہند کے روابط دیگر عالم اسلام سے تھے انھی کی مانند یہاں بھی مال و متاع کے ساتھ غلاموں اور لونڈیوں کو بھی بہ طور تحفہ دینے کی روایت فروغ پاتی رہی۔ مثلاً شمس سراج خفیف کا بیان ہے۔(۱۰)

مغلوں کے عہد تک غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت جائز تھی لیکن برطانوی راج میں اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اردو ناول کا آغاز اسی دور میں ہوا جب بیع انسانی کو تعزیراتی جرم قرار دیا جا چکا تھا۔ تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۷۱- ۳۷۰ کے مطابق انسانی بیع کو ممنوع قرار دیا گیا۔(۱۱) لہٰذا اردو ناولوں میں کسی ایسے مخصوص بازار کا ذکر نہیں ملتا جہاں کھلے بندوں کی مانندِ اجناس تجارت ہوتی ہو البتہ طوائفوں کے کوٹھے اور امرا کی ڈیوڑھیوں پر بردہ فروشی کی مثالیں ناولوں میں خال خال نظر آتی ہیں۔

اشرافیہ کی حویلیوں کے زنان خانوں کا مستقل حصہ لونڈیوں یا کنیزوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ نسل در نسل غلامی کی زنجیروں میں جکڑی یہ خواتین خانہ زاد کہلاتی تھیں جن کا ٹھکانہ اس ڈیوڑھی کے سوا اور کہیں نہیں تھا۔ خدمت گزاری کے لیے انھیں مختلف ہنر مندیاں سکھائی جاتی تھیں۔ چھوٹی عمر میں یہ چھوکریاں کہلاتی تھیں جو اوپر کے کام کرنے کے ساتھ نواب صاحب کی اولاد کی کھلائی کے فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ جوان ہونے پر انھیں نواب یا نواب زادوں کی خواہشات کی تکمیل کے عوض اچھے دن دیکھنے کو ملتے، ان کا رتبہ کچھ بلند ہوتا اور یہ خواص کہلاتیں۔ خواصوں کی دوسری قسم بیگمات کے لیے مخصوص ہوتی تھی جو ان کے نجی کاموں میں معاونت کرتی تھیں مثلاً منھ دھلانا، کپڑے بدلوانا، مالش یا چمپئی کرنا وغیرہ۔ کچھ خواصیں نواب زادیوں کے لیے مخصوص ہوتی تھیں، وہ ان کی شادی میں بہ طور تحفہ جہیز میں دان کی جاتی تھیں اور تاحیات ان کی خدمت گزاری کرتیں۔ ان کی شادیاں (ماسوائے نوابین کی خواصوں کے) خانہ زاد غلاموں سے کر دی جاتی تھی جو حویلیوں کے مرادانے یا جاگیر پر کام کیا کرتے تھے۔ معمر قابل بھروسہ اور تجربہ کار ہونے کی بنا پر ان میں سے کسی ایک کو منتظمہ بنا دیا جاتا جو دیگر کنیزوں کے کاموں پر نظر رکھنے اور بیگم صاحبہ کو پل پل کی خبر پہنچانے کے ساتھ نئی چھوکریوں کو نواب زادوں کی جانب مائل کرنے کا کام بھی بہ خوبی سرانجام دیا کرتی تھیں۔

ہندوستانی شرفا کے ہاں لونڈیوں کی کیفیت اور حالت کو ناول کے آغاز میں ہی بڑے دردمندانہ انداز میں دکھایا گیا ہے اردو کے اولین ناول مراۃ العروس کے دوسرے حصے بنات النعش میں حسن آرا نامی امیر زادی کا بیان ہے۔ جو اپنی نخوت پسندی اور متکبرانہ رویوں سے اپنے ماتحت ملازمین کا ناک میں دم کیے ہوئے ہے اور ہر کوئی اس کے ظالمانہ رویے پر دہائی دیتا نظر آتا ہے۔ حسن آرا کو اصغری خانم کی شاگردی میں دے دیا جاتا ہے۔ جہاں استانی جی قصہ گوئی کی تکنیک آزما کر اس کی کایا کلپ کر دیتی ہے۔ کہانی مسیح الملک نامی حکیم صاحب کی ڈیوڑھی پر پلنے والی کنیز زادی ہوش مند کی ہے جو اپنی خستہ حالت پر کڑھتی ہے اور آزادی کی طلب گار ہے وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں پر غور کرتی ہے:

> "گھر میں تین قسم کے آدمی ہیں ایک تو خود گھر والے جن کو سب طرح کا آرام اور اختیار حاصل ہے۔ دوسرے نوکر کہ یہ لوگ گھر والوں کی ٹہل اور خدمت تو کرتے ہیں، مگر خاطر خواہ اس کی مزدوری لیتے ہیں اور جب کوئی نوکری سے ناخوش ہوتا ہے تو چھوڑ کر چل دیتا ہے تیسرے ہم لوگ ہیں۔ جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں ہماری محنت اور مصیبت کی کچھ انتہا نہیں۔ نہ ہم چھوڑ کر کہیں جا سکتے ہیں نہ کچھ تنخواہ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ سب میں ہم ہی کم بخت گئے گزرے ہوئے ہیں۔ ہوش مند اس کے سبب کی تفتیش میں تھی کہ آخر میں نے ایسا قصور کیا ہے کہ اس کی پاداش میں مجھ کو عمر قید ہے۔"(۱۲)

ہوش مند اپنی حالت کا تذکرہ اپنے ہی ہم منصبوں سے کرتی مگر وہ بیچارے بھی مار پیٹ کے بعد کام میں جوت لیے جانے والوں میں سے تھے۔ ہوش مند کے آزادانہ خیالات اس کی ہم عمر نواب زادی نارپرور کو بہت کھلتے ہیں۔ اسی باعث اسے طعنے سہنے پڑتے ہیں مگر آزادی کا سودا اُس کے دماغ میں سما گیا تھا تحقیق کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ "چورانوے کے قحط میں اس کی ماں کو اس کا نانا دو روٹیوں پر بیچ گیا تھا اس وقت اس کی ماں کی عمر چھ سات برس کی تھی جب بڑی ہوئی تو حکیم صاحب نے کسی اپنے غلام سے نکاح کر دیا یہی ہوش مند ایک لڑکی ہوئی تھی کہ ماں باپ مر گئے۔(۱۳)

ناول میں چورانوے کے قحط سے مراد ۱۶۹۴ء ہو سکتا ہے جس کے بارے تفصیلات مغل ہندوستان کا طریق زراعت میں موجود ہیں۔ عرفان حبیب کے بہ قول "۱۶۹۴ء میں دوبارہ غذا کی قلت پیش آئی اس سال قلتِ غذا سے دہلی کے گرد و نواح کے علاقے بھی متاثر ہوئے لیکن سب سے زیادہ پریشانی ریگستان تھار کے شمالی و مشرقی کنارے کے علاقہ باگر میں محسوس کی گئی۔ یہاں کے باشندے دوسرے علاقوں کو منتقل ہو گئے اور انھوں نے مردار کھانا، اپنے بچوں کو فروخت کرنا اور ہزاروں کی تعداد میں مرنا شروع کیا۔(۱۴)

ہوش مند کو جب ماں کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے تو اور صدمہ ہوتا ہے کہ میری پرورش و پرداخت کے عوض مجھے تمام عمر لونڈی بنا کر ذلت اور اذیت میں رکھے جانا کہاں کا انصاف ہے۔ جب ان مقتدر لوگوں کو مقدور تھا تو ان پر میرے نانا کی مدد کرنی فرض تھی دنیا میں اس سے بھی بڑھ کر لوگ غریب غربا کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں لیکن کوئی کسی کو غلام نہیں بنالیتا۔ پھر وہ یہ بھی سوچتی ہے کہ آخر ایک باپ نے روٹی کے عوض اپنی لخت جگر کو بیچ کیوں ڈالا۔ اسے ایک آزاد انسان کی آزادی کو محض دو روٹیوں کے عوض سلب کر لینے کا اختیار تاسف میں مبتلا کر دیتا ہے اسی اڈھیر بن میں وہ جوان ہوئی اور مسیح الملک پر کڑا وقت آیا حکیم صاحب نے بے جا اخراجات سے بچنے اور ثواب کی خاطر سب لونڈی غلام آزاد کر دیے اب ہوش مند کی آزادی کے دن قریب آئے تو وہ جانے پر رضامند نہ ہوئی کیوں کہ اس نے تو آنکھ ہی اسی ڈیوڑھی میں کھولی تھی اس کے سوا اس کا کہیں کوئی ٹھکانہ تھا نہ در۔ سو اس نے اپنی مرضی سے اسی گھرانے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ جلد ہی حکیم صاحب، بیوی، بیٹی مع ہوش مند اور چند ملازمین کے عازم حج ہوئے جہاں ان کا قافلہ بدو لٹیروں نے لوٹ لیا۔ ہوش مند غلامی در غلامی اور نازپرور آزاد سے مملوکہ کی کیفیت سے دوچار ہوئی دونوں ہی جابر نامی بدو کے حصے میں آئیں اور لونڈیاں بن کر اس کے گھر پہنچ گئیں۔ اجنبی سرزمین، اجنبی زبان اور طرز معاشرت میں زمین آسمان کا فرق ہونے کے باوجود ہوش مند اپنے حواس قابو میں رکھتی ہے اس اجنبیت کا پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہے اور قید سے نکلنے کی تدابیر سوچتی ہے ساتھ ساتھ نازپرور کی ڈھارس بندھاتی ہے۔ لونڈی زادی ہونے کے ناتے اسے معلوم ہے کہ مالک اپنی ملکیت پر کسی بھی لمحے دست درازی کر سکتا ہے وہ نازپرور کی آبرو کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے اگرچہ بدو کے گھر دونوں کی حالت اور حیثیت یکساں ہے مگر ہوش پرور نمک خوری کا حق ادا کرتی ہے۔ اس نے آزاد ہونے کی بہ جائے نازپرور کے گھر میں لونڈی بن کر رہنے کو ترجیح دی اسی لیے اُس نے نازپرور کے حصے میں آنے والے گھر کے تمام کام اپنے ذمے لے لیے بھیڑ، بکریاں، اونٹ چرانے، دودھ دوہنے، کھانا پکانے، صفائی ستھرائی کے علاوہ اوپر کے کام بھی اکیلی سرانجام دینے لگتی ہے یہ سب کرتے ہوئے وہ نازپرور کو اپنی جان کے ساتھ چمٹا کر رکھتی ہے تاکہ نازپرور جابر کی پہنچ سے دور رہ سکے۔ اس کی جان نثاری اور اپنی خستہ حالت کو دیکھ کر نازپرور کو احساس ہوتا ہے کہ ہوش مند کیوں کر آزادی کی خواہاں تھی لیکن جب وہ اپنی حالت کا اپنے گھر کی لونڈیوں کی حالت سے موازنہ کرتی ہے تو بہر طور وہ خود کو عمدہ حالت میں پاتی ہے۔ کیوں کہ جابر کے گھر میں یہ دونوں ایسی ذلیل نہ

تھیں جیسی کہ خود اس کے اپنے گھر کی لونڈیاں تھیں۔" یہاں تو جس طرح ضمیراں اور ریحانہ جابر کی دونوں بیٹیاں رہتی ہیں۔اسی طرح ناز پرور اور ہوش مند تھیں۔ کھانا ایک، کپڑا ایک، سب کا کام برابر، یہ نہیں کہ لکھنو کی بیگموں کی طرح جابر کی بی بی، بیٹیاں پلنگوں پر لدی بیٹھی رہیں اور ہل کر پانی تک نہ پئیں"۔(۱۵)

جابر اپنی بیٹیوں کی شادی میں بہ طور تحفہ دینے کی خاطر دونوں لڑکیاں اپنے گھر لایا تھا اس نے اپنی بیٹی ضمیراں کی شادی پر ہوش مند تحفتاً دی تا کہ سسرال میں اس کا ہاتھ بٹا سکے۔ جب کہ سہل پسندی کے باعث ناز پرور کو ریحانہ کے لیے رکھ لیا تا کہ وہ بھی کام کاج میں ماہر ہو سکے۔ ناز پرور سے علاحدہ ہونے پر بھی ہوش مند اپنی سابقہ مالکن کو بھولتی نہیں وہ اس کی رہائی کی حتی المقدور کوشش میں لگی رہتی یہاں تک کہ اس کی تدبیر کار گر ثابت ہوتی ہے اور ناز پرور کو لینے اس کے والد پہنچ جاتے ہیں تب ناز پرور اپنے والد سے سابقہ لونڈی کی فاداری، حسن سلوک اور دل جوئی کا تذکرہ کرتی ہے اور مسیح الملک اس کا بھی فدیہ دینے پہنچ جاتے ہیں۔ جب ہوش مند سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے اپنی رہائی کی بہ جائے اپنی مالکن کی رہائی کی کوشش کیوں کی تو وہ جواب دیتی ہے۔" مجھ کو رہائی کی ضرورت نہیں میں تو جنم کی کنیز ہوں، جن کو ضرورت ہے خدا ان کو نصیب کرے۔(۱۶) اپنی نمک حلالی، جاں نثاری اور دانش مندی کے باعث اسے عرب خاندان سے آزادی کا پروانہ مل جاتا ہے لیکن وہ پھر سے مسیح الملک کے گھر میں ہی رہنے کی خواہاں ہے۔

لڑکیوں کی خرید و فروخت کے لیے عموماً بازار حسن بھی بردہ فروشی کے اڈے ہوا کرتے تھے اسی لیے ان جگہوں پر رہنے والی خواتین کو بازاری بھی کہا جاتا تھا کیوں کہ ان کے دروازے ہر قسم کے مردوں کے لیے رات دن کھلے رہتے تھے۔ اغوا کار مغویہ بچیوں کو بیچنے کے لیے انھیں بازاروں کا رخ کرتے تھے۔ اغوا کاروں میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھے انسانی بیع میں ملوث خواتین کو کٹنیاں کہا جاتا تھا۔ عوام الناس کے گھروں میں جانا اور ساز باز یا حیلے بہانے سے لڑکیوں کو لانے میں کٹنیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ خود اودھ کے نواب شجاع الدولہ نے کٹنیوں کو اس کام پر مامور کیا ہوا تھا۔ بہ قول نجم الغنی رامپوری چند کٹنیاں مقرر تھیں جو خوب صورت عورتوں کو تلاش کر کے ہزاروں روپے خرچ کر کے نواب صاحب کے واسطے لاتیں۔(۱۷) لیکن انگریزی قانون میں نابالغ بچیوں کی خرید و فروخت کو بھی جرم قرار دیا گیا۔ تعزیرات ہند کے مطابق دفعہ ۳۷۲-۳-۳۷۳ جو کوئی شخص کسی نابالغ کو جس کی عمر سولہ برس سے کم ہو بیچے یا اجرت پر چلائے یا کسی اور طور سے اپنے قبضے سے میں لائے اس نیت سے کہ وہ نابالغ فعل شنیعہ یا کسی امر ناجائز کے

لیے مصروف کیے جانے یا کام لیے جانے کا احتمال ہے تو اس مذکورہ شخص کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہو گا۔(۱۸)

فسانہ آزاد میں ایسی ہی ایک کٹنی سے میاں آزاد کی ملاقات ہوتی ہے جو اسے بتاتی ہے کہ اس نے کئی یتیم اور لاوارث لڑکیاں اپنے زیر کفالت لے رکھی ہیں ان کی پرورش و پرداخت کر کے اور خوب جانچ پڑتال کے بعد کسی اچھے گھر میں بیاہ دیتی ہے مگر بیاہنے سے پہلے وہ اچھی طرح اطمینان کرتی ہے۔ اگر لڑکی رضامند ہو تو ہی رخصت کرتی ہے۔ جب آزاد صنم نامی نوجوان لڑکی سے پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے تو وہ کہتی ہے کہ " خدا جانے ہندو کے ہاں جنم لیا یا مسلمان کے گھر پیدا ہوئے، آنکھ کھلنے نہ پائی تھی کہ صیاد آ گیا۔۔۔ اتنا ہی جانتی ہوں کہ مجھے لڑکپن کے زمانے میں ماں باپ سے جدا کیا مگر قسم لو جو (آب دیدہ ہو کر) مجھے کسی نے چھانٹھ بھی دی ہو کہ ماں کون تھی باپ کون تھا اور میں کہاں پیدا ہوئی۔"(۱۹)

میاں آزاد دو الگ بیانات پر مخصمے کا شکار ہو جاتا ہیں تب اللہ رکھی بھٹیاری کی سابقہ ملازمہ حقیقت حال سے آگاہ کرتی ہے کہ کندن ایک چلتا پرزہ ہے وہ غریب غربا کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا خوب جانتی ہے۔ کسی کی بچی کو اغوا کر لیتی ہے تو کسی کو خرید لیتی ہے۔ وہ بتاتی ہے حال ہی اس نے غریب محلے دار شریف عورت کی بیٹی کا سودا دبے لفظوں میں کیا ہے اور اس کو اپنے چنگل میں پھانس لیا ہے۔ شریف عورت کپڑے سلائی کر کے محنت سے اپنا اپنی کم سن بیٹی اور اندھے شوہر کا پیٹ پالتی ہے۔ اس نے مجبور خاتون کو باتوں میں الجھا کر منا لیا ہے کہ "ہم اس (بیٹی) کو گود میں بٹھائیں گے اور اپنی لڑکی بنائیں گے اس میں تمہاری مصیبت بھی دور ہو جائے گی اور لڑکی بھی ٹھکانے سے رہے گی۔ در سے در ملا ہوا ہے دن میں چاہے ہزار بار اپنے بچے کو دیکھ لو کوئی مشکل بات نہیں۔"(۲۰)

نابالغ بچیوں کے اغوا کیے جانے اور بیچے جانے کا ذکر امراؤ جان ادا میں بھی ہے۔ یہاں دلاور خان اور کریم بخش نے بالترتیب امیرن اور رام دئی کو اغوا کیا۔ امیرن کے نصیب میں خانم کا کوٹھا جب کہ رام دئی کی قسمت میں کی نواب عمدۃ النسا بیگم کی کوٹھی آئی۔ موقع ملنے پر خانم کی نوچیاں بہ شمول امرا اور خورشید، خانم صاحب کی قید سے فرار ہو جاتی ہیں جب کہ بارہ سالہ رام دئی، سولہ برس کے نواب سلطان کی خواص بن کر آسودہ اور باعزت زندگی بسر کرتی ہے بہ قول رام دئی نواب صاحب مجھ پر مائل ہو گئے اور ایسے مائل ہوئے کہ دونوں کی (نواب و بیگم کی تجویز کردہ) شادی سے کھلم کھلا انکار کر دیا۔۔۔۔ ماں باپ دونوں

صاحب جائیداد تھے یہی اکلوتے لڑکے تھے ساری دولت انھی کو ملی نواب صاحب کو خدا اسلامت رکھے جن کی یہ دولت میں بیگم صاحب بنی ہوئی ہوں اور چین کرتی ہوں نواب صاحب مجھے اسی طرح چاہتے ہیں جیسے کوئی اپنے سہرے جلوے کی بیوی کو چاہتا ہے۔(۲۱)

قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر لڑکیاں فروخت کرنے کا عمل بھی اردو کے کئی ناولوں میں سرسری طور پر مذکور ہوا ہے۔ امراؤ جان ادا ہی کی مثال لیجیے۔ امراؤ نے آبادی نامی ایک نابالغ بچی خریدی۔ مرزا رسوا کے استفسار پر بتاتی ہے کہ جی ہاں ایک روپیہ کو ماں بیچ گئی تھی، تین دن کے فاقے سے تھی۔ میں نے روٹی کھلائی اور ایک روپیہ دیا-- مرزا صاحب مجھے تو بڑا ترس معلوم ہوا میں نے تو کہا تھا، تو میرے پاس رہ مگر نہ رہی۔۔۔۔ کئی دفعہ آئی لڑکی کو دیکھا، دیکھ کے بہت خوش ہوئی مجھ کو دعائیں بھی دیتی تھی۔ سال میں ایک دو مرتبہ آجایا کرتی تھی مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکتا تھا سلوک کرتی تھی اب کئی برس سے نہیں آئی خدا جانے جیتی ہے یا مر گئی۔(۲۲)

قحط اور بھوک مری میں ایسی ہی صورت حال سے نازہ اٹھاتے ہوئے انجام عیش کے میاں چھوٹو اور اس کی سگی بہن، رحیمن نے وحیدن کو خریدا تا کہ اسے رقص و موسیقی کی تعلیم دے کر کمائی کا ذریعہ بنایا جاسکے۔ رحیمن، وحیدن کو اپنی بیٹی بتاتی تھی مگر ارد گرد کے سبھی لوگ اس بارے میں قوی شبہات رکھتے تھے کہ پچیسے کے کال نے اس خوب صورت بچی کو اس کے شریف ماں باپ سے علاحدہ کر دیا تھا۔ "میاں چھوٹو اور رحیمن نے کال میں بچی کے ماں باپوں کو لالچ دے کر خریدا اور عمر بھر کے لیے کسب پر لگا دیا۔ وحیدن کو وحیدن جان بنانے کی بھرپور کوششیں جاری ہیں اسے تمیز داری، بناوٹ، لگاوٹ اور چہل فریب کی باتیں سکھائی جارہی ہیں تاکہ دونوں بہن بھائی وحیدن جان کی کمائی پہ عیش کر سکیں۔"(۲۳)

منشی سجاد حسین کے ناول طرح دار لونڈی میں بھی قحط کی صورت حال کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ صاحب خانہ کو ان کے چرب زبان مصاحب ملنے تشریف لاتے ہیں اور آتے ہی مہنگائی اور قحط پر مکالمہ شروع ہوتا ہے وہ شہر کی دگر گوں صورت حال مرزا صاحب کے روبرو گزارتے ہیں:

> خلقت ایک دانے کو ترس گئی ہے، اچھے اچھے گھر بگڑ گئے۔ باپ کو اگر چار دانے مل گئے، وہ بچوں کو نہیں پوچھتا، جورو کو اگر ٹکڑا روٹی ملی تو خاوند کو نہیں پوچھتی۔ زمانہ ہے کہ پر آشوب ہو رہا ہے۔ اولاد سے بڑھ کر تو کوئی عزیز نہیں اس تک کو بیچ ڈالا۔ اے حضور! صدہا لڑکے لڑکیاں بک گئیں بل کہ بعضے ماں باپ نے تو ہنسی خوشی یوں ہی حوالے کر دیے چلو بلا سے

ان کی پرورش سے جان چھوٹی، اپنا پیٹ کسی نہ کسی طرح سے پال لیں گے۔ جہاں کہیں یہ رہیں گے پیٹ بھر روٹی تو دے گا۔ جہاں رہیں، خوش رہیں، زندہ رہیں، جی بچیں۔(۲۴)

مرزا صاحب بتاتے ہیں کہ سرکاری خیرات خانے میں سیکڑوں لڑکیاں اور لڑکے موجود ہیں۔ سرکار کہاں تک کھلانے پلانے کا اہتمام کر سکتی ہے۔ اس لیے حکم عام ہے جو صاحب ثروت انھیں خیرات خانے سے پرورش و پرداخت کی خاطر لے جانا چاہے لے جائے۔ صاحب خانہ یہ سن کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔ انگریزی عمل داری میں تو انسانی بیج کا بڑا جرم ہے اس کے لیے سرکار کیسے اجازت دے سکتی ہے مگر مرزا صاحب بتاتے ہیں اگر لونڈیاں اور غلام پرورش کے لیے امرا کے حرم تک رسائی نہ پا سکیں گے تو چند دن میں ہی فاقوں سے لوٹ پوٹ ہو جائیں گے اسی لیے سرکار نے لے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ نواب صاحب کی بیگم نے جب ہر جگہ یہ دھوم سنی تو نواب صاحب کے در پہ ہو گئی کہ انھیں بھی خیرات خانے سے لونڈی اور غلام خرید کر دیے جائیں۔ نواب صاحب ٹالتے رہے کہ نوکر آزاد ہی بھلے جب جی چاہا کام پر لگایا جب جی سے اترا، چلتا کیا، وہ عمر بھر کا روگ نہیں پالنا چاہتے تھے مگر بیوی کے سامنے ایک نہ چلی۔ آخر ان کی ضد برقرار رہی کہ صاف رنگت، سڈول نقشے اور نک سک سے درست لونڈی چاہیے۔ آخر انھیں چرب زبان مصاحب کی بہ دولت اوپر کے کام کے لیے نجیبیا نامی کنیز اور منو میاں کو کھلانے کے لیے خدا بخش نام کا غلام، بنا کسی لکھت پڑھت کے بیس روپے میں خرید کر گھر لے آئے۔ اور ساتھ ہی خبردار کر دیا کہ ان بچوں کے ساتھ زیادتی اور بدسلوکی برداشت نہیں کی جائے گی۔ عربوں کی طرح حسن سلوک اور نرم روئی اختیار کی جائے گی اگر ان کے کہے میں سرِ مو فرق آیا تو اسی دن آزاد کر دیے جائیں گے کیوں کہ مالکوں کے ظلم و ستم سے ہی تنگ آ کر لونڈی غلام مالکوں کو ضیق کرنے کی ٹھان لیتے ہیں۔

بیگم صاحبہ اور ان کی مغلانی دونوں ہی بچوں کی شکل و صورت دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ ساتھ اس بات پر بھی شکر ادا کرتی ہیں کہ دونوں ہی مسلمان کے بچے نکلے۔ "نہیں تو کوئی لودھا، کوئی پاسی، کوئی اہیر، یہی سب کو ملتے ہیں۔ ابھی تقیہ بیگم کے ہاں پانچ بچے آئے سب نیچ قوم کے، بن صاحب نے بڑی تگ و دو سے ایک لڑکی چپر بند کی منگائی تھی۔"(۲۵)

مغلانی کے اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھوک مری اور کال میں جب اولاد آدم پر زندگی تنگ ہو جاتی ہے شرفا کو اس بات خیال رہتا ہے کہ لونڈی یا غلام نیچ، قوم، بدصورت، یا شیر خوار نہ آئے کہ انھیں

کی دیکھ بھال اور تربیت اور تیمارداری پر مامور ہونا پڑے۔ نواب صاحب کی تنبیہ کا اتنا تو اثر ہوا کہ دونوں کو معمولی کو تاہیوں پر چند ایک بار کے سوا زیادہ مار پیٹ نہیں سہنی پڑی۔ البتہ چھ ماہ بعد شہر میں پولیس کی پکڑ دھکڑ کی خبر تیزی سے پھیل گئی کہ جن لوگوں نے خیرات خانے سے قحط زدہ بچوں کو پرورش کے واسطے لیا تھا ان کے کوائف کی جانچ پڑتال کا کام شروع ہو گیا ہے۔

> "جن جن رنڈیوں نے اس قحط سالی میں لڑکیاں لے کر نوچیاں بنائی تھیں۔ ناچ گانے، عشوے، کرشمے، نخرے، چونگے کی تعلیم دیتی تھیں اب تو ان کے پیٹ میں چوہے پڑ گئے۔ حواس جاتے رہے وجہ کیا، ؟ کئی دن ہوئے حسو جان کی نائیکہ گرفتار ہو گئیں ان نیک بخت نے دو لڑکیاں لی تھیں ---۔ آج کل رنڈیوں نے زر زیور کی فرمائش چھوڑ اپنے آشناؤں سے لونڈیوں کا چونگا اختیار کیا ہے۔"(۲۶)

ناول سر دلبراں میں سندری کے اغوا ہونے پر تھانے میں رپورٹ درج کرائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شہر و دیہات میں رنڈیوں، کسبیوں، خانگیوں اور اوباشوں کی خانہ تلاشی کرائی جاتی ہے کیوں کہ ڈاکو اکثر انھی جگہوں پر نابالغ لڑکیوں کو بیچ دیتے ہیں۔ وہ انھیں پرورش کر کے اپنا برا پیشہ سکھاتی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ طوائفوں کا چوں کہ پیشہ ہی یہ ٹھہرا تھا اس لیے ان پر زیادہ سختی نہیں تھی یا حکام کی جانب سے اغماض برتا جاتا تھا۔ ایک کردار تاسف بھرے لہجے میں کہتا ہے:

> "صاحب خانہ: معلوم نہیں سرکار نے رنڈیوں کو جرائم پیشہ لوگوں میں کیوں شمار نہیں کیا ہے۔ یہ تو صاف صاف جرائم پیشہ ہیں۔ نابالغ لڑکیوں کو مول لے کر بری تعلیم کر کے ان سے روپیہ کمواتی ہیں۔ آدمیوں کو مول لینا تو دوسرا جرم ہے۔ صرف نابالغ لڑکے اور لڑکی کو ایسی تعلیم کرنا۔ جو اس کے مذہب اور قوم کے خلاف ہو قانوناً جرم ہے ---۔ مگر کوئی نہیں پوچھتا۔ خود سرکار نے اس قحط سالی میں سیکڑوں لاوارث لڑکیاں رنڈیوں کو دے دیں اور ہزاروں انھوں نے خود مول لیں۔ اب سب وہی پیشہ کرتی ہیں۔ قریب قریب وہ سب چھوٹی سی عمر میں بہ جبر رنڈی بنائی گئی ہیں۔(۲۷)

اس ناول میں ایک کردار کی زبانی معلوم ہوتا ہے کہ قحط سالی کے دوران بڑے پیمانے پر انسانی جان تلف ہو، اس سے بچنے کی خاطر عام لوگوں کو بہ حکم سرکار خصوصی اجازت دی جاتی تھی۔ لیکن بعض اوقات بے انتہا مجبوری میں خود والدین ہی اپنے لخت جگر کو کسی دوسرے کی مِلک بنا دیتے تھے۔ مثلاً ناول

عاصمہ میں ایک لونڈی نے اپنی آپ بیتی کے دردناک واقعات بیان کیے ہیں۔ ناول میں زمین داروں اور ساہوکاروں کو غریب کسانوں کا لہو پیتے اور ان کی کڑی محنت کا ناجائز اٹھاتے دکھایا گیا ہے۔ سود اور قرض کے جال میں پھنس کر غریب بیوہ، کسان اپنی لخت جگر کو فروخت کر دیتی ہے:"میرا بھائی کہتا تھا کہ نائب نے میری ماں کو اس کے صلے" میں ایک ساڑھی، چولی اور کچھ روپے دیئے اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ اس گاؤں سے چلی جائے، غرض میری ماں خوشی و غم کے متضاد جذبات سے مغلوب مجھے وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔ خوشی اس کی کہ وہ ایک جان کی پرورش کی ذمہ داریوں سے چھوٹ گئی۔"(۲۸) ناول میں عاصمہ کی زبانی جاگیر دار کی ڈیوڑھی اور زنان خانے کی تفصیلی تصویر پیش کی گئی ہے۔" محل میں جتنے ملازم تھے وہ بیویوں اور خواصوں میں تقسیم تھے۔ یعنی ہر آدمی کسی نہ کسی کی خدمت کے لیے نام زد تھا اور وہ اسی کا کہلاتا تھا جیسے فلاں کی ماما، فلاں کی چھوکری۔ میری بیگم کے پاس اور ملازمین کے علاوہ چار چھوکریاں تھیں جن میں سے میں بھی ایک تھی۔"(۲۹)

عاصمہ ملازمین کو سونپے گئے کاموں کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان کے پھوہڑ پن، حسد اور کم ظرفی، خوش آمد، کام چوری اور لونڈیوں پر ہونے والے مظالم کی داستان رقم کرتی ہے۔ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ بیگم کی طرف داری کی خاطر ماما یا مغلانی بھی لونڈیوں پر ہاتھ اٹھانے سے نہیں چوکتیں۔ ہر وقت گالی گلوچ کی جاتی، بات بے بات کتے، گدھے، سور سے فحش نسبت دی جاتی، قحط پُٹی کہا جاتا اور طعنہ دیا جاتا کہ تیری ماں نے تیرا گوشت بیچ کھایا ہے۔ علاوہ ازیں صاحب زادے جب کسی لونڈی کی جانب جھکاؤ یا میلان کا اختیار کرتے تو دیگر لونڈیاں حسد میں مبتلا ہو جاتیں کیوں کہ اس کی حیثیت یک دم باقی لونڈیوں کی نسبت بلند ہو جاتی۔ محض اس لیے کہ وہ صاحبِ خانہ یا نواب زادے کی خواص بن گئی ہے۔

اشرافیہ کے ہاں عمومی طور پر نوجوان نواب زادوں کے لیے چھوکریاں رکھی جاتی تھیں تاکہ ان کی خواہش پوری کر سکیں۔ انھیں خریدتے وقت بالخصوص ان کی خوش شکلی پر توجہ مرکوز کی جاتی تاکہ نواب زادہ جلد اس کی جانب مائل ہو سکے۔ ان کے لباس و خوراک کا خاص خیال رکھا جاتا اور نواب زادے کے لیے دیگر امور کے لیے انھیں تربیت دی جاتی۔ صاحب زادے کے ایک اشارے پر لبیک کہنا ان کا فرض اولین ٹھہرایا جاتا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھی جاتی۔ یہاں تک کہ صاحب زادے ان کی جانب ملتفت ہو جائیں۔ چھوٹے نواب جب کسی سے متوسل ہو جاتے تو اس کے خاص ہونے کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ تاوقت

یہ کہ کوئی دوسری ان کی جگہ نہ لے لے یا صاحب زادے کا بیاہ اپنے ہم کفو میں نہ ہو جائے۔ خواص کے بارے میں عزیز احمد کا بیان ہے:

> "فرخندہ نگر (دکن) میں اسی لیے تو چھوکریوں کا دستور تھا کہ یہ حرم کی بدلی ہوئی صورت تھی۔ جاگیر داروں کے گھروں میں کئی کئی لڑکیاں پالی جاتیں۔ یہ پالکڑیاں " یا چھوکریاں کبھی تو زر خرید ہوتیں قحط کے زمانے میں یہ عموماً سستے داموں مل جاتیں۔ یا یہ بے کس اور لاوارث لڑکیاں ہوتیں۔ بہت سی ان میں سے چھوکریوں کی اولادیں ہوتیں اور نسل بعد نسل ایک ہی گھرانے میں پلتیں، جوان ہوتیں اور بچے دیتیں۔ ان چھوکریوں میں سے جو صاحب کو پسند آجاتی وہ تو خیر 'خواص' بن جاتی اور بیگم صاحبہ کی رقیب ہوتی۔ اس کے بعد وہ چھوکریاں ہوتیں جو اور صاحبزادوں کو پسند آتیں اور ان کی خواصیں بن جاتیں اور جو اتنی بد شکل، یا گندی یا ہاتھ پاؤں سے معذور ہوتیں جو نہ صاحب کو پسند آتیں اور نہ صاحب زادوں کو، اُن کی شادی گھر کے باہر کے ملازمین سے کر دی جاتی ہے۔"(۳۰)

ایسی بلندی ایسی پستی میں خورشید زمانی کا کردار بے حد اہم ہے جو متکبر، شیخی باز اور حاسد ہے۔ اپنی ہم چشموں میں مقام و مرتبہ کو بلند رکھنے کی خاطر وہ اپنی انگریزی تربیت کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے اور اپنے بگڑے نواب زادوں کے لیے شرفاء کے رواج کے مطابق چھوکریاں خریدنے کا اہتمام کرتی ہے تا کہ جاگیرداروں میں اس کا مرتبہ کم نہ ہونے پائے۔ شرفاء کے ہاں گھر میں لونڈیوں کی تعداد ان کے مقام مرتبے میں اضافے یا کمی کا معیار سمجھی جاتی تھیں۔ جس کی ملکیت میں جس قدر لونڈی غلام ہوتے وہ اتنا ہی رعب دار ہوتا۔(۳۱)

سمیرا ۱۵

بھوک مری یا کال پڑنے پر غریب ماں باپ کس دل سے اپنی لڑکیاں امراء کے حوالے کرتے تھے اس کی ایک جھلک قحط بنگال کے پس منظر میں لکھے گئے ناول خون جگر ہونے تک میں دکھائی گئی ہے۔ گھوڑا مارا کے بچے، کچے باسی، بھوک سے نڈھال، ابھری ہوئی پسلیوں اور پچکے ہوئے گالوں کے ساتھ لنگر خانے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں تا کہ جلتے ہوئے پیٹ کی جلن کم ہو سکے۔ انھیں لوگوں میں پھول محمد کا کثیر العیال چچا جمیر باپ اس کی بیوی کلثوم اور اکلوتی بچ جانے والی تین سالہ بچی مینا بھی ہے جسے بھوکے پیٹ گود میں اٹھا کر چلنا اور بھی دشوار لگ رہا ہے۔ راستے میں انہیں پختہ دیواروں اور ٹین کی چھت والے مکان سے ایک عورت نکلتی نظر آئی۔ "ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبر سے نکلی ہے۔ اس کی آنکھوں میں

کچھ سوکھے سے آنسو تھے۔ جنہیں وہ اپنے سوکھے ہاتھوں سے پونچھ رہی تھی۔ ایک مرد باہر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس نے دس روپیہ کا نوٹ رکھ دیا۔"(۳۲)

بہت دیر غور کرنے کے بعد حجیر باپ نے پہچان لیا کہ وہ تو اس کے علاقے کا ہری منڈل تھا جس نے اپنی اولاد کو فروخت کرنے کے عوض دس روپے پائے تھے۔ ہری منڈل نے سوکھی ہوئی ٹانگوں اور لاغر بدن والی مینا کو دیکھ کر حجیر باپ سے کہا یہ بچی تو راستے میں ہی مر جائے اس لیے اسے دھنی لوگوں کے ہاتھ دے دو، وہ اسے پال لیں گے۔ تمھیں کچھ روپیہ بھی مل جائے گا۔ حجیر باپ کی آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ پھر گیا جب ہری منڈل کی بیوی اس پکی دیواروں اور ٹین کے چھت والے مکان سے نکل کے اسے دس روپے کا نوٹ دے رہی تھی۔

> "کلثوم نے بہ جائے جواب دینے کے مینا کو زور سے لپٹا لیا۔۔۔ تھوڑی دیر اسی طرح اٹھے بیٹھے چلتے رہے، ایک جگہ کلثوم ٹھوکر کھا کر گری۔۔۔، مینا کے دانت ہونٹ میں گڑ گئے، بھوں پھٹ گئی، چہرہ لہولہان ہو گیا۔ حجیر باپ نے اسے اٹھالیا۔ سامنے پکی دیواروں اور ٹین کی چھت والا مکان تھا۔ کلثوم نے بڑی حسرت سے کہا اتنے تو مر گئے ایک یہی بچی ہے ۔۔۔ اچھا دے دو۔"(۳۳)

ناول میں بے بس ماں کو اپنی واحد نشانی کو بڑے درد انگیز انداز میں فروخت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس امید پر کہ شاید اسے پیٹ بھر کر کھانے کو مل جائے۔ عام طور پر اشراف کی ڈیوڑھیوں میں بچیاں اسی لیے فروخت کی جاتی تھیں کہ یہاں اگرچہ مار پیٹ سہنی پڑتی تھی مگر عزت محفوظ رہتی تھی۔ نواب کی خواص بننے کی صورت میں اچھے دن بھی دیکھنے کو مل جاتے تھے اور صاحب اولاد ہونے کی صورت میں روٹی کپڑے کے ساتھ کچھ نہ کچھ ماہانہ لگا بندھا خرچ بھی وصول ہو جاتا تھا۔ قحط سالی کے بعد اگر والدین بچ جاتے تو ان کی صورت دیکھنے کو بھی چلے آتے تھے تا کہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں۔

خانہ زاد لونڈی کی دو مثالیں بہ طور خواص کئی چاند تھے سرِ آسماں میں بھی آئی ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے نواب شمس الدین احمد خان کی محل سرا کی ہلکی سی جھلک دکھائی ہے۔ نواب شمس الدین احمد خان ولیم فریزر کے قتل کے بعد مشتبہ قرار دیے جا چکے تھے اور گرفتاری سے قبل وہ اپنی جاگیر کا انتظام کرنے اور بیویوں کو حق مہر ادا کرنے کے لیے حویلی کے زنان خانے میں آتے ہیں یہاں ان کی دو بیویاں اور دونوں بیٹیاں تخت اور کرسیوں پر براجمان ہیں ان سے کچھ فاصلے پر قالین پر چمپا بی بیٹھی ہے

چمپا کی بیٹی رحمت النسا اس کی گود میں ہے۔ محل سرا میں بیویوں کے پاس فرش نشین چمپا کی موجودگی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ چمپا نواب صاحب کی خواص رہی ہوگی۔ گھر کی لونڈی خواص بن بھی جائے تو اسے بیگمات کی برابر کا مقام نہیں مل سکتا۔ مصنف نے بھی بڑے سلیقے سے تسلیمات کو بیان کرتے ہوئے اس فرق کو دکھایا۔ نواب صاحب کے محل سرا میں داخل ہونے پر اصیل نے سات، بیگمات نے تین تین، جب کہ چمپا نے پانچ تسلیمات کیں۔ نواب صاحب کی گود سے اپنی بیٹی رحمت النساء کو لینے کے لیے اس نے چھوکری کا لفظ ادا کیا۔ نواب صاحب اپنی دونوں بیویوں کا حق مہر ادا کرنے اور دونوں بیٹیوں میں جائیداد تقسیم کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جارہے ہیں مگر خدا نے چاہا تو اس کی مرضی سے واپس آئیں گے ورنہ یہی آخری ملاقات ہے تو بیگمات نے روتے ہوئے اپنے دل کا حال کہا (تجاویز اور دعائیں دیں) مگر چمپا کو صرف سننے کی اجازت تھی۔ کیوں کا اس کا منصب محض سننا اور عمل کرنا تھا، سمجھنا اور سمجھانا اس کے لیے غیر ضروری تھا۔ چمپا کا جی چاہتا تھا کہ چیخ کر روئے لیکن بیگمات کے ہوتے اسے رونے کا بھی حق نہ تھا۔ نواب صاحب نے جب چمپا کو مخاطب کیا تو وہ یوں چونکی جیسے کسی نے اسے سوئی چبھو دی نواب صاحب نے کہا:

> "تمہارا انتظام ہم نے دلی چاندنی چوک والے گھر میں کہلا دیا ہے، تم جب تک چاہو، وہاں رہ سکتی ہو۔ چاہو تو اپنا چوکا برتن الگ کر لینا، بندوبست بھی ہم نے کر دیا ہے۔ خزانچی جی چمپا بی کی تھیلی ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔"(۳۴)

چمپا بی اور اس کی بیٹی کو پانچ پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری دی گئیں نیز ان کی رہائش اور خرچ کے انتظامات کرنے کا مطلب یہی ہے وہ تاحیات نواب صاحب کی سرپرستی میں آگئیں۔ انھیں در در کے ٹکڑے اور دھکے کھانے کو نہیں ملیں گے۔ ایک ہی در سے باعزت طور پر اپنے مقدر کا کھاتی رہیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ غریب غربا خانگیوں کی بجائے امراء کی ڈیوڑھیوں کو ترجیح دیتے تھے تاکہ کسی ایک کی ہو کر رہ سکے۔ نواب نہ سہی خانہ زاد ہی سہی جیسے نواب شمس الدین احمد خان کے بعد چمپا کا نکاح پشتنی خدمت گار سے کر کے اس کا مستقل ٹھکانہ کر دیا جاتا ہے۔

اسی ناول میں ایک کردار حبیب النساء نامی خواص کا ہے نواب شمس الدین احمد خان وزیر بیگم سے متوسل ہونے سے پہلے ہی اپنے مہمان خانے میں ایک معتبر، معاملہ فہم اور گرہستنی خاتون کو وزیر بیگم کی خدمت پر تعینات کر دیتے ہیں۔ حبیب النساء کا درجہ مغلانی کا ہے۔ اس کا شوہر نواب کی جاگیر کا انتظام سنبھالتا تھا کسی مہم کے دوران جاں بحق ہوا تو حبیب النساء مع اپنی بیٹی راحت افزا کے نواب صاحب کی حویلی کو

مستقر بناتی ہے۔ نواب کی والدہ کی زندگی میں ان کی خواص بن کر ڈیوڑھی پر زندگی کرتی ہے۔ یہاں تک کہ نواب شمس الدین احمد صاحب اسے تحفتاً وزیر بیگم کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وہ وزیر بیگم کی خواص بن جاتی ہے۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد وہ حق نمک ادا کرتی ہے۔ وزیر بیگم کے ہمراہی میں آغا تراب علی کے گھر چلی جاتی ہے وزیر بیگم کی زچگی اور بیوگی میں ڈھارس بندھاتی ہے، تنگی و ترشی کے دن کاٹتی ہے۔ یہی نہیں وہ قلعہ معلیٰ میں بھی وزیر بیگم کے مختصر اور ضروری سامان کے ساتھ جاتی ہے۔ ولی عہد کے حجلہ عروسی میں آنے سے قبل حبیبہ، وزیر بیگم کی آرائش کرتی ہے وہ اپنی بیگم کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر پہچان لیتی ہے یہ آنسو قلعہ معلیٰ میں آنے اور ولی عہد کی نکاحی بننے کی خوشی میں نہیں بلکہ برسوں پرانی یاد کے بہاؤ میں آئے ہیں جب حبیبہ نے اسے اپنے نواب صاحب کے لیے تیار کیا تھا وہ تسلی دیتے ہوئے کہتی ہے: "خانم صاحب !جی کو سنبھالیے، شاہزادے صاحب آتے ہی ہوں گے۔ ان دنوں کی یاد تو ہمیشہ ہری رہے گی لیکن اس وقت نہیں ءللہ اس وقت کے نئے پھول کو کھلنے دیجئے۔"(۳۵)

اکبر کے دور میں جب ہندو رانیاں محل سرا کا حصہ بنیں تو ان کے جہیز میں خدمت گار خواتین کو بطور جہیز پیش کیا گیا بعد ازاں ہند اسلامی تہذیب کے زیر اثر مسلم اشرافیہ کا مقامی خواصوں یا مقامی آزاد خواتین سے میل جول بڑھنے کے باعث جہیز کی رسم کو بھی اپنا لیا گیا۔(۳۶) شرفا جہاں خطیر رقوم، سونا چاندی ہیرے جواہرات، بیش قیمت پارچہ جات اور سامان آسائش و آرائش، ہاتھی گھوڑے پالکی نالکی اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا کرتے تھے وہیں لونڈیاں بطور خواص بیگم صاحب کی خدمت کے لیے روانہ کی جاتی تھیں۔ جو شروع شادی کے دنوں میں سسرال سے اجنبیت کم کرانے اور بعد ازاں بیگم صاحب کے ذاتی و سسرال سے تفویض شدہ کاموں میں معاونت کرتی تھیں۔ یہی لونڈیاں اپنی مالکن کی جینے مرنے کی مونس و غم گسار ہوتیں۔

قصہ مہر افروز بیگم از منشی فیض الدین احمد جو چتر بہنیلی کے عنوان سے بھی مشہور ہے۔ اس میں ایک متوسط اشراف گھرانے کی لڑکی کی شادی ہے جہاں افروز کی والدہ خرد افروز نے اس کے چھٹپنے سے ہی جہیز کی تیاری شروع کر دی تھی۔ مصنف نے قصے میں جہاں افروز کی شادی کا منظر بیان کیا ہے۔ شادی بیاہ کی رسومات کے ساتھ دان دہیز کے عنوان سے جہیز کی پوری فہرست دی گئی ہے۔ مزید بر آں

رخصتی کے وقت ضروری سامان کے ساتھ بطور خاص لونڈیوں اور ملازمین کے عہدے بھی بتائے ہیں جو دلھن کے ساتھ گئے۔(۳۷)

افسانہ نادر جہاں میں نادر جہاں کی والدہ اس کی شیر خوارگی میں ہی گزر گئی۔ گھر کی ماما بوا اعجوبہ اور خیراتن کے ذمے بچی کی دیکھ بھال سونپ دی گئی۔ دونوں بے ڈھنگے پن سے بچی کو پالنے لگیں جو چند ہی روز میں بیمار ہو کر اپنی سوتیلی ماں کی گود میں جا پڑی۔ جہاں سوتاپے کی آگ میں جلی لونڈیاں اپنی مالکن کو خوش کرنے کے لیے ننھی بچی کو طرح طرح سے ستانے اور اذیتیں دینے لگیں سوائے بی رحمت کے۔ ننھی سی نادر جہاں زخمی نیل زدہ بدن لیے واپس بوا اعجوبہ کی گود میں چلی آئی پھر رحمت بی اور بوا اعجوبہ نے مل کر جی جان سے بن ماں کی بچی کو پالا یہی دونوں نادر جہاں کے ساتھ جہیز میں گئیں۔ نادر جہاں کی ساس زود رنج، تیز مزاج اور لڑاکا تھی۔ غصے کا بھوت ہر وقت اس کے اعصاب پر سوار رہتا۔ وہ دلہن کو سسرال میں آتے ہی ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ نادر جہاں ساس کی بدسلوکی تحمل سے برداشت کرتی ہے اس کے ساتھ وہ بوا اعجوبہ اور رحمت کو بھی خبر دار کرتی ہے کہ ساس کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی نہ ہونے پائے۔(۳۸)

بوا اعجوبہ دل ہی دل میں ساس پر نفرین کرتی ہے مگر مالکن کے حکم پر ایک لفظ تو دور کی بات چہرے سے ناگواری کا شائبہ تک نہیں ہونے دیتی۔ اپنی بی بی کی فضیحت پر بار بار روتی ہے افسوس کرتی ہے کہ غیرت دار لالوں کی لال بچی ناقدروں کے گھر آ کر بے قدر ہو رہی ہے۔ مگر بیگم کے حکم پر بے بس ہے اسی لیے نادر جہاں کے ساتھ مل کر سب کڑوی کسیلی سہتی ہے مگر ساس کے روبہ رو منھ سے بھانپ نہیں نکلنے دیتی۔

اُردو ناولوں میں لونڈیوں کی پیشکش قابل اعتماد، بھروسہ مند اور وفادار خواتین کے طور کی گئی ہے۔ یہ خواتین امراء کی حویلیوں میں یا تو نسل در نسل پیدا ہوتی تھیں یا قحط سالی میں پرورش کی نیت سے خرید لی جاتی تھیں۔ ان لونڈیوں کو مختلف ہنر سکھا کر گھریلو کام کاج کے لیے مخصوص کر لیا جاتا تھا۔ جوان ہونے کی صورت میں ان کے پاس دو راستے ہوتے یا تو نوابین کی خواص بن کر ان کی دل لگی کا سامان بنتیں اور ان کی اولادیں پیدا کرتیں یا پھر ان کی شادی حویلی کے ملازمین سے کر دی جاتی۔ اسی لیے غریب اپنی بیٹیوں کو شرفاء کے گھر بیچنے کو ترجیح دیتے۔ لونڈیوں کی خرید و فروخت کا دوسرا مرکز طوائف کا کوٹھا ہوتا جہاں اغوا کار

اور کٹنیاں نابالغ لڑکیاں فروخت کرتے تھے۔ قحط سالی میں خود رنڈیاں بھی سستے داموں پرورش کے بہانے لڑکیاں خرید لیتی تھیں تاکہ انہیں غمزہ و عشوہ سکھا کر پیشے پر لگایا جاسکے۔ یہ زر خرید لڑکیاں جوں ہی خود مختار ہوتیں وہ اپنے ڈیرے سے فرار ہو جاتیں۔ کسی نواب کی خواص یا متوسل یا پابند ہو کر زندگی گزارتیں۔ امراء کے ہاں زیادہ لونڈیاں رکھنا اپنے ہم چشموں پر اپنی برتری ثابت کرنے کا بھی ایک طریقہ تھا اسی وجہ سے نواب زادیوں کو جہیز میں لونڈیاں بطور تحفہ دی جاتیں تاکہ سسرال میں رعب داب رہے۔ دلھن کا جی لگانے کے ساتھ ان کو تفویض کردہ امور میں معاونت فراہم کر سکیں۔ یہ اپنے منصب سے خوب واقف ہوتیں تھیں اور آخری دم تک تن دہی سے اپنی خدمات انجام دینا فرض عین سمجھتی تھیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ (لاہور: بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۶)، کتابِ خروج، باب ۱۹ تا ۲۱۔

(۲) آچاریہ چانکیہ، ارتھ شاستر، ترجمہ: شان الحق حقی، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۰)، ۲۲۷۔

(۳) سورۃ النساء: ۳۔

(۴) سورۃ النور: ۳۳-۲۴۔

(۵) علامہ نیاز فتح پوری، تاریخ الدولتین، (علی گڑھ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، س ن)، ۱۵۔

(۶) ایضاً، ۴۵-۴۶

(8) Matthew S. Gordon and Kathryn A. Hain, Eds., *Concubines and Courtesans: Women and Slavery in Islamic History* (New York: Oxford University Press, 2017), 12.

(۷) ایضاً۔

(9) Sudha Sharma, *The Status of Muslim Women in Medieval India* (New Delhi: Sage Publications, 2016), 34-35.

(۱۰) شمس سراج خفیف، تاریخ فیروز شاہی، ترجمہ: مولوی محمد فدا علی، (حیدر آباد: دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، ۱۹۳۸ء)، ۱۹۰ تا ۱۹۶۔

(۱۱) مولوی نذیر احمد، مجموعہ قوانین تعزیرات ہند، (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۶۱)، ۲۳۳۔

(۱۲) مولوی نذیر احمد، بنات النعش، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۴۵)، ۱۸۲۔

(۱۳) ایضاً، ۱۸۳۔

(۱۴) عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا طریق زراعت، (نئی دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ ۱۹۷۷ء)، ۱۲۶۔

(۱۵) مولوی نذیر احمد، بنات النعش، ۱۹۰۔

(۱۶) ایضاً، ۱۹۹۔

(۱۷) تاریخ اودھ، حصہ دوم، ۱۵۔

(۱۸) ایضاً، ۲۳۳۔

(۱۹) رتن ناتھ سرشار، فسانہ آزاد، جلد چہارم، حصہ اول، ۷۸۵

(۲۰) ایضاً، ۷۹۵۔

(۲۱) مرزا ہادی رسوا، امراؤ جان ادا، مرتبہ: ظہیر فتح پوری، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۹)، ۲۷۲۔

(۲۲) ایضاً، ۲۵۸۔۲۵۹۔

(۲۳) سرفراز حسین عزمی، انجام عیش، (دہلی: مطبع مجتبائی، س ن۔)، ۸۔

(۲۴) منشی سجاد حسین، طرح دار لونڈی، مرتبہ: میمونہ بیگم انصاری، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۶۵)، ۳۔

(۲۵) ایضاً، ۲۰۔

(۲۶) ایضاً، ۳۹۔

(۲۷) سید یاس احمد، سرِ دلبراں، (لاہور: مطبع خادم التعلیم، ۱۸۹۳)، ۲۳۔۲۲

(۲۸) ابو ظفر موید الدین حسن، عاصمہ، (حیدرآباد دکن: عہد آفریں پریس، ۱۹۳۹ء)، ۳۸۔

(۲۹) ایضاً۔

(۳۰) عزیز احمد، ایسی بلندی ایسی پستی، مشمولہ: عزیز احمد کے چار ناول، ۶۴۶۔

(۳۱) ایضاً، ۶۴۷۔

(۳۲) فضل کریم فضلی، خونِ جگر ہونے تک، (کراچی: فضلی سنز پرائیوٹ لمٹیڈ، ۲۰۲۱)، ۲۰۱۔

(۳۳) ایضاً، ۲۰۲۔

(۳۴) شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، (جہلم: جہلم بک کارنر، ۲۰۲۰)، 464۔

(۳۵) ایضاً، ۷۰۸۔

(36) Sudha Sharma, The Status of Muslim Women in Medieval India, 52.

(۳۷) محمد فیض الدین، قصہ مہر افروز، (دہلی: مطبع ارمغان، ۱۸۸۴ء)، ۶۱۔

(۳۸) بیگم نادر جہاں، افسانہ نادر جہاں، حصہ دوم (لکھنو: منشی نول کشور پریس، ۱۹۱۸ء)، ۲۰۔

BIBLIOGRAPHY

- Abu Zafar Muayad al-Deen Hasn, *'Asmah*, (Haiderabad: Ahd-e Afreen Press, 1939).
- Acharia Chankia, *Earth Shāstar*, (Trans.) Shan al-Haq Haqqi, (New Dehli: Qaumi Councial Baraiy Farogh-e Urdu, 2010).
- Allama Niaz Fateh Puri, *Tarīkh al-Daulatain*, (Ali Garh: Jamia Millia Islamia)
- Begham Nadir Jahan, *Afsana Nadir Jahan*, (Lakhnau: Naval Kishaur, 1918)
- Fazal Kareem Fazli, *Khūn-e Jigar Hony Tak*, (Karach: Fazali Sons, 2021).
- Irfan Jaib, *Mughal Hindustān kā Tariq-e Zarā't*, (New Delhi, National Book Trust, 1977).
- *Kitab-e Muqaddas*, (Lahore: Baibal Society, 2006)
- Matthew S. Gordon and Kathryn A. Hain, Eds., *Concubines and Courtesans: Women and Slavery in Islamic History* (New York: Oxford University Press, 2017).
- Maulavi Nazeer Ahmad, (Tans). *Qawanīn T'azirāt-e Hind*, (Lakhnau: Naval Kishaur, 1861)
- Maulavi Nazeer Ahmad, *Banāt al-Na'sh*, (Lahore: Ghulam Ali and Sons, 1945).
- Mirza Hadi Ruswa, *Umra-o Jān Ada*, (Comp.) Zaheer Fatehpuri, (Lahore: Majlis Taraqqi-i Adab,1999).
- Muhammad Faiz al-Deen, *Qissa Mahar Afroz*, (Delhi: Matba Armaghan, 1884).
- Munshi Sajjad Husain, *Turah Dār Laoundi*, (Comp.) Memona Begham Ansari, (Lahore: Majlis Taraqqi-i Adab, 1965)
- Sarfaraz Husain Azmi, *Anjām-e 'Ash*, (Delhi: Matba' Mujtabai)
- Shams Siraj Khafeef, *Tārīkh Feroz Shāhī*, (Trans.) Maulavi Muhammad Fida Ali, (Haiderabad: Jamia Usmania, 1938).
- Shas al-Rehman Farooqi, *Kai Chand Thāy Sar-e Asmān*, (Jehlam: Jehlam Book Corner, 2020).
- Sudha Sharma, *The Status of Muslim Women in Medieval India* (New Delhi: Sage Publications, 2016)
- Syed Yaas Ahmad, *Sar-e Dilbaraṇ*, (Lahore: Khadim al-Taleem, 1893).

❖❖❖